


خرّم مراد

منشورات

# پیش لفظ

اگر آج معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر زندگیاں سکون سے محروم ہیں۔ تجزیہ کیا جائے تو اس کیفیت کے بہت سے اسباب تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن سامنے کی بات یہ نظر آتی ہے کہ اخلاق اچھے نہیں رہے۔ بہت ساری پریشانیاں پیدا ہی نہ ہوں اگر بعض اخلاقی برائیوں سے بچا جائے اور کچھ اچھے خلاق اختیار کیے جائیں۔

ہمارے دین میں اخلاق کی جو اہمیت ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ عبادات اپنی جگہ' لیکن اچھا مسلمان ہونے کے لیے اچھا اخلاق ہونا ضروری ہے' کوئی بداخلاق شخص اچھا مسلمان نہیں ہوسکتا۔

اس مختصر کتاب میں محترم خرم مراد نے نہایت دلنشین انداز میں اس بات پر ابھارا ہے کہ اچھے اخلاق اختیار کیے جائیں اور برے اخلاق ترک کیے جائیں۔ زندگی مسلسل کوشش کا نام ہے' کوشش اس بات کی کہ ہمارا آنے والا کل گزرے ہوئے کل سے بہتر ہو۔ اس کتاب کا مطالعہ اس کوشش میں مددگار ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

مسلم سجاد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اخلاق کے مقام اور قدر و قیمت سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔ اچھے اخلاق کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں ہے' اور برے اخلاق کا سرمایہ اگر جمع کیا جائے تو ہلاکت و بربادی سے بچانے والی بھی کوئی چیز نہیں۔ برے اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی بھی ہمارے حصے میں آتی ہے' نیز انسانوں کے باہمی تعلقات بھی خراب ہو جاتے ہیں' اور باہمی تعلقات کا بگاڑ بالآخر پورے دین کو ضائع کر دیتا ہے۔

پورے دین کو ضائع کرنے کی بہت مؤثر مثال نبی کریم ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لیے یوں دی ہے' کہ باہمی تعلقات کا بگاڑ ایک استرے کی طرح ہے۔ پھر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے' بلکہ یہ ایک ایسا استرا ہے جو دین کو مونڈتا ہے۔

ایک اور حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اس بات کو یوں بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو' دنیا کا مال نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں' میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز' نماز' روزہ' صدقہ' اس قسم کی بے شمار عبادات جمع کر کے لائے گا' مگر اس طرح آئے گا کہ کسی کا حق مارا ہوگا' کسی پر تہمت لگائی ہوگی' کسی کو گالی دی ہوگی' کسی کو مارا ہوگا' اور کسی کا خون بہایا ہوگا۔ اس کے بعد وہ سب لوگ دعویٰ دار بن کر کھڑے ہو جائیں گے' اور ان کے دعووں کے تصفیے کے لیے اس کا سارا سرمایہ' یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ ان دعویٰ داروں کو دے دیا جائے گا۔ دعووں کے تصفیے کے لیے نیک اعمال کے علاوہ کوئی اور کرنسی نہیں چلے گی' نہ ڈالر ہوگا نہ پاؤنڈ' نہ روپیہ ہوگا اور نہ جائیداد۔ بس یہی ایک کرنسی ہوگی اور اسی کے اندر معاوضہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ

جب اس کے سارے اعمال ختم ہو جائیں گے اور دعویٰ دار ابھی موجود ہوں گے تو دعویٰ داروں کے گناہ لے کر اس کے ذمے ڈال دیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ گویا نیکیوں کا یہ بڑا سرمایہ بھی برے اخلاق کی وجہ سے ختم ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا جو ریکارڈ اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا' اس کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ وہ ہو گا جو اللہ تعالیٰ بالکل معاف نہیں کرے گا' ایک وہ ہو گا جس کی اس کو کوئی پروا نہیں ہو گی' چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو معاف نہ کرے' اور ایک حصہ وہ ہو گا جس کا کوئی حرف نہ چھوڑے گا۔ اعمال کا وہ حصہ جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا' شرک ہے۔ وہ حصہ جس کو وہ معاف کر دے گا' وہ گناہ ہیں جو آدمی نے اپنے نفس کے بارے میں کیے ہوں گے' اور وہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے' جیسے نماز چھوٹ گئی یا روزہ چھوٹ گیا وغیرہ۔ ان کی اسے کوئی پروا نہیں ہو گی۔ وہ معاف بھی کر دے گا' اور جرم کی نوعیت کے مطابق سزا بھی دے گا۔ لیکن جس حصے کا ایک حرف بھی نہیں چھوڑے گا' یہ وہ معاملات ہوں گے جو بندے اور بندے کے درمیان ہوں گے۔ ان سب کا کسی نہ کسی طرح فیصلہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق نہیں' آدمی کا اپنا معاملہ بھی نہیں بلکہ کسی مظلوم کا معاملہ ہے' اور اس چیز کی حرمت کا معاملہ ہے جس کی حرمت ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ شراب' سود اور سور کے گوشت سے بڑھ کر جو چیز حرام کی گئی ہے' وہ مسلمان کی جان' اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو ہے۔ اس میں ہر مسلمان شامل ہے۔

یہ حرمت بہت بڑی حرمت ہے۔ اسے بہت مؤثر پیرائے میں حرام کیا گیا ہے' اور مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ اس کے ہاتھ' پاؤں اور زبان سے' دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت محفوظ ہو۔

## پانچ بنیادی اوصاف

برے اخلاق واعمال کی ایک طویل فہرست بنائی جا سکتی ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے

ہیں جو جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو ان سے پاک کرلیں تو دیگر بہت ساری بری باتوں اور برے اخلاق کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا۔ ان میں سے پانچ بنیادی اوصاف کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

## کبر و تکبر

سب سے پہلی چیز کبر ہے۔ کبر کے معنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے یا کچھ سمجھنے کے ہیں۔ کبر کا لفظ ہی ایسا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ یہ بیماری میرے اندر نہیں ہو سکتی۔ متکبر ہم اسے سمجھتے ہیں جس کے پاس بڑی دولت اور بڑا پیسہ ہو، جو بڑا اختیار ہو اور بڑی ڈینگیں مارتا ہو۔

کبر کا مرض بڑا عام ہے۔ اس مرض میں ایک درویش بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور ایک فقیر بھی، ایک زاہد بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور ایک عالم بھی، بلکہ امام غزالیؒ کے الفاظ میں: میں نے جتنا کبر علما میں دیکھا ہے، اتنا عام آدمیوں میں نہیں دیکھا۔

کبر دراصل بہت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم کی نافرمانی کی تو اس کی جڑ میں بھی کبر مضمر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس، تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے میں مانع ہوئی جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے، تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے؟ اس نے جواب دیا:

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ O (ص ۳۸:۷۶)

''میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے''۔

گویا اس نے تکبر کیا، اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور خاک کے پتلے کو سجدہ کرنا اپنی شان اور مقام و مرتبے کے خلاف جانا اور اسی روش کی بنا پر اللہ کی لعنت کا مستحق ٹھیرا۔

غصہ، انتقام، تمسخر، غیبت، بے شمار امراض ہیں جو کبر کے بطن سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ کبر کی تعریف ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے۔ اس کے لیے قرآن مجید میں استکبار کا لفظ بھی بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اِسْتَکْبَرَ کے لفظی معانی یہ ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔

لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے جوتے اچھے ہوں' اس کے کپڑے اچھے ہوں' کیا یہ کبر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' یہ کبر نہیں ہے۔ کبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں سے حقارت کا برتاؤ کرے' انھیں ذلیل اور اپنے سے کم تر سمجھے۔ اگر غور کیا جائے تو حق کو ٹھکرانا صدق اور حق پرستی کے بھی خلاف ہے۔ جو آدمی حق کو ٹھکراتا اور ماننے سے انکار کرتا ہے' اس کے پیچھے سب سے بڑا سبب کبر ہی ہوتا ہے۔

یہ بھی کبر ہے کہ حق بات کہنے والے کو آدمی حقیر جانے اور یہ سمجھے کہ اس کا یہ منہ کہ یہ بات کرے۔ ذرا آپ کسی کی غلطی پر تنبیہ کر کے دیکھیں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آدمی نے سانپ کے اوپر پاؤں رکھ دیا ہو۔ آدمی کا نفس اس طرح تڑپ اٹھتا ہے' کہ اچھا! اس نے مجھے یہ کہہ دیا۔ قرآن مجید میں انبیا کی داستانیں اگر پڑھیں تو ان کو بھی اس کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ءَ اُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْ بَیْنِنَا۔ (قمر ۵۴:۲۵)

کیا تمھارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟

لوگ حقارت سے یہ کہتے تھے کہ اس کو اللہ نے وحی اتارنے کے لیے منتخب کیا ہے! کیا خدا کو کوئی اس سے بہتر آدمی نہیں ملا تھا' جو کچھ حیثیت والا' رتبے والا' مال و دولت والا ہوتا جس کو نبوت دی جاتی! چنانچہ حق بات کہنے والے کو ذلیل اور حقیر سمجھنا' اور اپنے آپ کو بہتر جاننا' یہ بھی کبر ہے اور حق کو ٹھکرانے کی بنیادی وجہ بھی یہی ہوتی ہے۔

دوسرے انسانوں کے ساتھ جو آدمی بھی اخلاق سے پیش آتا ہے' گو اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ تو زبان سے نہیں کہتا لیکن اس کے پیچھے بھی کبر چھپا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ جب آدمی کہتا ہے کہ صاحب میں تو کچھ بھی نہیں ہوں' میں تو بڑا گناہ گار ہوں' اس کے پیچھے بھی ایک طرح سے کبر کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تواضع کا بہت زیادہ اظہار کریں کہ اللہ گواہ ہے میں تو بہت گناہ گار ہوں' میری نیت تو بڑی خالص ہے' بار بار اپنے گناہ گار ہونے کا اقرار کریں' تو اس کے پیچھے بھی اپنے آپ کو کچھ بتانے کا جذبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ ایسا جذبہ ہے جو غیر محسوس طور پر بھیس بدل بدل کر انسان کے اندر عود کر آتا ہے۔

کبر کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ کوئی مجھے ایسا کام کرتے نہ دیکھ لے جسے لوگ حقیر سمجھتے ہوں۔ بعض لوگوں کو گھر کا سودا اٹھا کر لے جانا گراں گزرتا ہے۔ بعض کو گھر کا کوئی کام کرنا ناگوار ہوتا ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ نوکروں والے کام کر رہا ہے۔ اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ ہوتا ہے۔ بیوی کچھ کہہ دے تو غصہ آ جاتا ہے' اگرچہ وہ صحیح بات کہہ رہی ہو' لیکن اگر کوئی اور نصیحت کرے تو ایسا رویہ اختیار نہ کرے۔ اس قسم کی کیفیت عموماً ہر قسم کے آدمی کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ بھی کبر ہی کی ایک کیفیت ہے۔

کبر سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے' اور تواضع' عاجزی وانکساری اختیار کرنی چاہیے۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر آدمی جسے اللہ نے پیدا کیا ہے' اس کے اندر اس نے اپنی روح پھونکی ہے۔

وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوْحِه (السجدة ۳۲ : ۳۲)

''اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی''۔

لہٰذا انسان ہونے کی حیثیت سے سب انسان برابر ہیں۔ حتی کہ وہ نوکر جو گھر میں کام کر رہا ہے' اس کے بارے میں بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی بھی دو آنکھیں اور دو کان ہیں۔ وہ بھی انسان ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہماری طرح پیدا کیا ہے خواہ دنیا میں اس کو رتبہ کچھ دے دیا ہو۔ چنانچہ وہ فرد جسے اللہ نے گھر میں نوکر چاکر بنا دیا ہو' یا وہ عورت جسے گھر میں کسی کی بیوی بنا کر شوہر کے ماتحت کر دیا ہو' اس سے اس کے انسان ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب کو اس نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ کلکم آدم و آدم من ترابہ' سب انسان ہیں اور انسان مٹی سے بنایا گیا تھا۔

کوئی اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی عالی نسب سمجھے' سب کی نسل جا کر ایک ہی آدمی سے ملتی ہے' اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وہ سید ہو یا پٹھان' یا آرائیں' یا کسی بھی نسل سے تعلق رکھتا ہو' سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی کا کوئی اور نسب نہیں۔ انسان کسی چیز پر کیا اترائے۔ شکل وصورت تو اللہ کی دی ہوئی ہے اور مال ودولت ایک عارضی چیز ہے۔ جو کچھ دیا گیا ہے' اللہ کا دیا ہے۔ کبریائی تو صرف اللہ کے لیے ہی ہے۔ دن میں سیکڑوں دفعہ

آدمی اللہ اکبر کہتا ہے' سنتا ہے۔ اذان میں' اقامت میں' نماز میں' یہ جو بار بار تکرار ہے کہ اللہ سے بڑا کوئی نہیں' یہ اس لیے ہے کہ اگر کوئی احترام ہے تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اگر کوئی بڑائی ہے تو صرف اللہ کے لیے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ صرف اللہ کے سامنے سجدہ کرو اور تواضع اختیار کرو۔

نبی کریم ﷺ سے عالی مرتبت انسان اور کون ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ کو کسی کام سے کوئی عار اور شرم نہ تھی۔ بکری کا دودھ دھو لیتے تھے' گھر والوں کے لیے سودا لاتے تھے' اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے' کپڑوں میں پیوند تک خود لگا لیتے تھے اور گھر میں آتے تو بیویاں کہتی ہیں کہ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ بچوں کو بھی سلام کر لیتے تھے اور عورتوں کو بھی۔ لیکن ہمارے ہاں لوگوں کو یہی گلہ ہوتا ہے کہ مجھے پہلے سلام کیوں نہیں کیا گیا' اٹھ کر کیوں نہ ملے' بیٹھنے کے لیے صحیح جگہ کیوں نہ دی گئی' تقریر کی فہرست میں میرا نام یہاں پر کیوں آ گیا؟ اس سے پہلے کیوں نہ آیا' یا اس کے بعد کیوں آ گیا' اجتماع میں مجھے کیوں نہیں بلایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

اسوہ رسول ﷺ کیا تھا؟ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مجلس میں پہچاننا مشکل ہو جاتا تھا کہ آپ ﷺ کہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے۔ نوالہ اگر زمین پر گر جاتا یا کوئی کھانے کی چیز گر جاتی تو پونچھ کر کھا لیتے تھے' اس لیے کہ یہ تو اللہ کا دیا ہوا ہے اور ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کی دی ہوئی چیز کے سامنے آدمی کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ تواضع' انکسار' حلم' سب چیزیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

کبر بہت سی برائیوں کی جڑ ہے۔ اپنے آپ کو دیکھتے رہنا چاہیے' دل کے اندر جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں کسی کونے کھدرے میں کبر کا جذبہ تو سر نہیں اٹھا رہا ہے۔ غصہ بھی کبر کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے' جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔ کن چیزوں پر غصہ آتا ہے؟ کون سی چیزیں ناگوار ہوتی ہیں اور کیوں ہوتی ہیں؟ ذرا بھی تجزیہ کر کے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیا کریں' خود جائزہ لے لیں' تو کہیں نہ کہیں اپنے نفس کی بڑائی' اپنی آن اور عزت کا ایسا احساس ضرور پنہاں ہوتا ہے کہ جو انسان کو خرابیوں کے اندر مبتلا کر دیتا ہے۔

ہر آدمی کے اندر خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی۔ آپ اپنی زندگی پر نظر ڈالیں'

اپنے آپ سے زیادہ آدمی کس سے واقف ہو سکتا ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ (القیمۃ ۷۵:۱۴)

"انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔"

کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے کوئی گناہ نہیں ہوتا' آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوتی' آپ میں کوئی خامی نہیں ہے' کوئی خرابی نہیں ہے۔ یہ دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح آپ ہی کی طرح دوسرے انسان بھی ہیں۔ دوسرے لوگوں میں بھی خامیاں ہوتی ہیں۔ وہ بھی غلطیاں کر سکتے ہیں۔ ان کو حقیر سمجھنا' یہی تباہی اور بربادی ہے۔

ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ نے اس بات کو یوں بیان فرمایا کہ مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کے اس پر بہت سارے حقوق ہیں۔ وہ اس کی عزت کے درپے نہیں ہوتا' اس کی مدد کرتا ہے۔ اس کو کسی کے حوالے نہیں کرتا۔ پھر سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: التقویٰ ھھنا' تقویٰ دراصل یہاں ہے' یعنی دل میں۔ گویا تقویٰ ظاہری رسوم و رواج میں نہیں ہے بلکہ دل میں ہے۔ پھر فرمایا کہ آدمی کے تباہ و برباد ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے' کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر اور کم تر اور اپنے آپ کو برتر سمجھے' اور یہ جانے کہ میں اس سے زیادہ اونچا آدمی ہوں۔ یہ شیطان کی صفت ہے' اور اسی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہو گیا' برباد ہو گیا' اور ہمیشہ کے لیے اس پر لعنت ہو گئی۔

وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (الحجر ۱۵:۳۵)

"اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔"

اس لیے کہ اس نے کہا کہ میں بہتر ہوں' میں کیسے جھک جاؤں اس کے آگے جو مجھ سے کم تر ہے۔ لہٰذا تواضع اختیار کرنا' جھک جانا' یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اسی سے انسان اپنے آپ کو کبر سے بچا سکتا ہے اور بہت ساری برائیاں جن کا ذکر آگے آئے گا' ان سے بھی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

## کینہ و حسد

دوسری چیز جس میں بعض اوقات کبر بھی آجاتا ہے' وہ کینہ اور دشمنی ہے۔ اسی سے ملتی جلتی چیز جو اس کا سبب بن جاتی ہے' حسد ہے۔

حسد دراصل یہ ہے کہ کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز دیکھ کر' اس کا معاشرے کے اندر مقام' اس کا علم' اس کا مال و دولت' اس کی شکل و صورت' یا کوئی بھی چیز دیکھ کر آدمی کے دل میں جلن پیدا ہو۔ اگر آدمی کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ اللہ مجھے بھی ایسا کردے' تو یہ حسد نہیں ہے۔ البتہ اگر جلن پیدا ہو' اس کے خلاف غصہ پیدا ہو' اور پھر آدمی یہ چاہے کہ اس سے یہ چھن جائے تو یہ حسد ہے۔ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ جب آدمی میں حسد پیدا ہو جائے تو وہ بہت ساری برائیوں میں پڑ جاتا ہے۔ اگر کسی سے حسد ہو جائے تو آدمی اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے کہ کسی طرح اس کو یا اس کے مال کو نقصان پہنچائے یا اس کی عزت نفس کو مجروح کرے۔ اگر کہیں کسی مجلس میں اس کا کوئی تذکرہ ہو رہا ہو تو اس کا تمسخر اڑا دیا' کوئی طعنہ دے دیا' یا اس کی کوئی برائی کردی۔ اگر کہیں لوگ اسے اچھا سمجھتے ہوں اور کسی نے اس کی تعریف کردی' تو پھر آدمی تجسس کرتا ہے' ٹوہ میں لگا رہتا ہے کہ مجھے معلوم ہو کہ اس کے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں' اور موقع ملے تو وہ خرابیاں بیان بھی کرتا ہے اور غیبت بھی کرتا ہے۔ اس طرح حسد بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے۔

اگر غور کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں بھی شیطان کو کبر کے ساتھ حسد بھی تھا کہ یہ مقام ان کو کیوں مل گیا؟ میں نے ہزاروں برس سجدوں میں سر مارا لیکن مجھے تو یہ مقام نہیں ملا' مگر اس مٹی کے پتلے میں اللہ نے اپنی روح پھونک دی اور اس کو یہ مقام دے دیا۔ گویا شیطان کی دشمنی میں اپنی برتری کے احساس کے ساتھ ساتھ حسد بھی موجود تھا۔ اسی وجہ سے دشمنی اور کینہ پیدا ہو گیا' اور وہ درپے آزاد ہو گیا کہ اب میں قیامت تک اس کو اور اس کی اولاد کو بھٹکانے کی کوشش کروں گا۔

کسی کو نقصان پہنچانا' عزت گھٹانا' مالی نقصان پہنچانا' تمسخر اڑانا' ذلیل و خوار کرنا' انتقام پر تل جانا' قتل کے درپے ہو جانا' برائیوں کی ٹوہ میں رہنا' تجسس کرنا' بعض اوقات کسی کے

بارے میں بڑے لطیف انداز میں کوئی ایک بات کہہ دینا جس سے وہ دوسروں کی نگاہ میں گر جائے‘ ان سب کے پیچھے حسد اور کینہ ہی بنیاد ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ اپنے سینے کو صاف رکھو‘ اگر ہو سکے تو یوں صبح وشام کرو کہ کسی کے لیے تمھارے دل میں کینہ اور حسد نہ ہو۔

ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے‘ کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک صحابی تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا اگر کسی نے جنتی کو دیکھنا ہو تو انھیں دیکھ لے۔ بظاہر کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ حلیے اور وضع قطع کے لحاظ سے وہ عام آدمی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنتی ہیں۔ دوسرے دن بھی شاید یہی فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جستجو لگ گئی کی یہ کیا عمل کرتے ہیں‘ کہ جس کی وجہ سے حضور ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ یہ جنتی ہیں۔ چنانچہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ میری گھر میں کچھ کھٹ پٹ ہوگئی ہے‘ اور میں ایک رات آپ کے پاس گزارنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ شوق سے آیئے اور میرے پاس رہیں۔ وہ ان کے ہاں ٹھیر گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ کوئی خاص عمل نہیں کرتے۔ رات نمازِ عشاء پڑھی اور سو گئے‘ نہ رات کے قیام کے لیے کھڑے ہوئے‘ نہ تہجد پڑھی‘ اور فجر تک سوتے رہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ فجر کے وقت تک سوتے رہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کوئی ایسا خاص عمل نہیں دیکھا۔ انھیں بہت مایوسی ہوئی کہ ان کے اندر کیا ایسا عمل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کی یہ شخص جنتی ہے۔ جب چلنے لگے تو کہنے لگے کہ بھائی یہ تو میں نے آپ کے پاس ٹھیرنے کا بہانہ کیا تھا۔ دراصل میں تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کا وہ عمل کیا ہے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے بشارت دی ہے کہ آپ جنتی ہیں۔

اس پر انھوں نے کہا کہ میرا جو کچھ عمل ہے وہ تو تمھاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ چلنے لگے تو پھر روک لیا اور کہنے لگے کہ ہاں‘ ایک بات ہے‘ کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے لیے دشمنی اور کینہ نہیں ہے۔ میرا دل صاف ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہی وجہ ہے یا یہی وہ نیکی ہے جس کی وجہ سے آپ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

گویا دل کا صاف ہونا اتنی بڑی نیکی ہے کہ تہجد جیسی عبادت سے بھی اس کی اہمیت زیادہ ہے اور بلندی درجات کا باعث ہے۔ یہاں تہجد کی اہمیت کم کرنا مقصود نہیں' بلکہ دل صاف ہونے کی اہمیت وفضیلت بتانا مقصود ہے۔ کینہ اور حسد تو ایسی چیز ہے کہ یہ تہجد جیسی عظیم عبادت کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ بہت بڑی نیکی ہے کہ دل صاف ہوں۔ اگر کہیں شکایت پیدا ہو تو ایک رات بھی نہ گزرے اور آدمی اپنا دل صاف کر لے۔ لوگ دل میں بھی رکھتے ہیں' اور ایک دوسرے سے کہتے بھی پھرتے ہیں۔ تین تین مہینے تک بلکہ مدتوں لوگ دل میں بات رکھتے ہیں۔ بات دل میں رکھنا' اور پھر اس کو پالنا پوسنا اور اس کو بیان کرتے پھرنا' اس سے تعلقات خراب ہوتے ہیں اور بہت ساری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ شکایات تو پیدا ہوتی ہیں' برتن ہوں گے تو کھڑکیں گے بھی' کوئی بات تو ایسی ہو ہی جائے گی' لیکن آدمی فوراً اپنا دل صاف کرلے اور اچھا گمان کر لے۔ کسی بات کی اگر کوئی تاویل ممکن ہو تو اچھی تاویل کر لے۔

کسی کی نیت کے بارے میں آدمی کبھی شبہہ نہ کرے۔ کسی کی نیت کو ہم نہیں جان سکتے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی نیت خراب ہے۔ آدمی جب یہ بات کہتا ہے تو وہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کے علم کا دعویٰ کرتا ہے' جو جائز نہیں۔ کسی کے دل میں کیا ہے؟ یہ تو فرشتے بھی نہیں جانتے۔ لوگ اکثر یہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے دل میں کیا بات تھی' اس نے اس لیے مجھ سے یہ کہا' اور میرے ساتھ یہ معاملہ کیا' وغیرہ وغیرہ۔ کسی کے دل میں کیا ہے یہ تو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اسی غلط سوچ سے کینہ اور حسد پیدا ہوتے ہیں۔ کینے کو جب آدمی پالتا اور پروان چڑھاتا ہے' تو جیسے جیسے وہ اس کے بارے میں سوچتا ہے' اس سے حسد پیدا ہوتا ہے اور بہت ساری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا دل کو صاف رکھنا چاہیے۔ حضور ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے آکر شکایتیں مت کرو' لوگوں کی برائیاں مت کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ میں مسلمان بھائیوں سے ملوں تو میرا دل بالکل صاف ہو۔ اس میں کسی کے لیے کوئی خرابی اور میل نہ ہو۔ اسی بات کے پیشِ نظر جو لوگ دوسروں کو لے کر چل رہے ہوں' قیادت کے منصب پر فائز ہوں' یا دوسروں کے ساتھ چل رہے ہوں' یا معاشرے کو چلا رہے ہوں' ان کو حسد اور کینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

## غصہ و غضب

تیسری چیز جو بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے' غصہ ہے۔ غصے اور غضب کی آگ بہت جلدی بھڑک اٹھتی ہے' اور جب بھڑکتی ہے تو بہت کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ یہ ایسی دیا سلائی ہے کہ ادھر سلگائی اور ادھر آدمی قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ جسم غصے سے بے قابو ہو جاتا ہے' چہرہ سرخ ہو جاتا ہے' رگیں پھول جاتی ہیں' زبان سے جھاگ نکلنے لگتا ہے اور بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ اس سے جسم پر بھی اثر پڑتا ہے اور دل پر بھی بلکہ زبان' عمل اور برتاؤ میں' ہر چیز پر اثر پڑتا ہے۔ گھر میں آدمی ہو تو بے قابو ہو جاتا ہے۔ کھانے کے برتن اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ ڈنڈا اٹھا کر بیوی کو مار دیتا ہے۔ اولاد پر غصہ آتا ہے تو بے دردی سے جھڑک دیتا ہے۔ اگر اجتماع میں بیٹھا ہو اور غصہ آ جائے تو ایک دم زبان بے قابو ہو جاتی ہے۔ طعن و تشنیع اور تمسخر پر اتر آتا ہے۔ غرض ہزار خرابیوں کی جڑ غصہ ہے۔

غصہ آنا کوئی بری بات نہیں۔ ایک لحاظ سے غصہ آنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آدمی اپنی غیرت اور دین کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ غصہ بالکل فطری چیز ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدمی کی فطرت میں شہوت رکھی ہے' خواہش رکھی ہے' اسی طرح غصہ بھی رکھا ہے۔ لہٰذا غصے کا آنا ایک فطری امر ہے' لیکن غصہ کو نکالنا اور غلط جگہ پر نکالنا' یہ وہ چیز ہے جس پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کا الگ الگ مزاج دیکھ کر اصلاح کرتے تھے' ہدایت دیتے تھے اور مشورے دیتے تھے۔ ایک صحابی ؓ نے آ کر پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ مت کرو۔ اس نے پھر کہا کچھ اور۔ آپؐ نے فرمایا: غصہ مت کرو۔ تیسری دفعہ پھر پوچھا کہ کچھ نصیحت فرمایئے۔ تب بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ غصہ مت کرو۔

اس میں غصے سے بچنے کی اہمیت بھی ہے' اور یہ بھی کہ جو صحابی ؓ آپ ﷺ سے پوچھنے کے لیے آئے تھے' ان کا اپنا کوئی مخصوص مسئلہ ہو گا کہ آپ ﷺ نے ان کو اتنی زوردار تاکید فرمائی۔

آپ ﷺ نے غصے سے بچنے کی ترکیبیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

اگر کسی کو غصہ آرہا ہو تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہو تو لیٹ جائے لیکن عملاً اس کے برعکس روش اپنائی جاتی ہے۔ غصہ آئے تو اگر کوئی لیٹا ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے' اور اگر کھڑا ہو تو لاٹھی اٹھا لیتا ہے' اسلحہ تان لیتا ہے۔ غصے کے علاج کے لیے یہ طبعی نسخہ ہے کہ آدمی کھڑا ہو اور ہاتھ میں کچھ ہو تو اس کو فوراً چھوڑ دے کیوں کہ کچھ پتا نہیں چلتا کہ آدمی غصے میں کیا کر بیٹھے۔ اس لیے کہ غصے میں آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں' عقل ماری جاتی ہے اور دماغ بھی بے کار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غصے کی حالت میں اگر کوئی شخص کھڑا ہے تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہے تو لیٹ جائے' اور پانی سے وضو کر لے۔ وضو سے بھی غصہ دور ہو جاتا ہے۔ شیطان سے بھی اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اسی لیے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غرض اس ضمن میں نبی ﷺ نے مختلف تعلیمات کی ہدایت فرمائی ہے۔

گھر میں بھی انسان کو اپنے غصے پر قابو پانا چاہیے۔ اگر بیوی آپ کے قابو میں دے دی گئی ہے تو اس پر غصہ نکال لیا' جہاں جو قابو میں ہے اس پر غصہ نکال دیا۔ اگر ملازم کو دیکھا تو کھڑے کھڑے اسے ڈانٹ دیا۔ اگر کوئی بڑا ہے' غصہ نہیں نکلا تو دن بھر جز بز ہوتے رہے۔ یہ دورنگی ہے۔

کمزور پر غصہ نکالنا تو بزدلی ہے۔ جو خودسر اور منہ زور ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ آدمی اس پر غصہ نکالے۔ جو کسی کے اختیار میں دے دیا گیا ہو' خواہ کوئی کارکن ہو یا دفتر کا ملازم' گھر کا نوکر ہو یا بیوی کی صورت میں ایک کمزور عورت' ان پر غصہ نکالنے کے بجائے آدمی اس پر غصہ نکالے جو اس سے طاقت ور ہو۔ بہادر تو وہ ہے جو اپنے سے طاقت ور پر غصہ نکالے لیکن آدمی اپنے سے کمزور کو تلاش کر کے غصہ نکالتا ہے' اور طاقت ور کے لیے دل میں کینہ رکھتا ہے کہ جب موقع ہوا تو وار کروں گا۔ اس طرح آدمی ایک سے دوسری برائی کے اندر مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

غصے پر قابو پانے اور معاف کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے عفو و درگزر دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کا راستہ قرار دیا ہے اور ان لوگوں کو اس کی طرف دوڑ کر چلنے والے قرار دیا ہے جو خداترس ہوں' غصے کو پی جاتے ہوں اور

دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہوں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دل کے سخی ہیں' دن رات لوگوں کی خدمت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۳:۱۳۴)

''جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال' جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں''۔

جو لوگ جنت کی راہ پر کھڑے ہوں اور دوڑ لگا کر جنت میں داخل ہونا چاہتے ہوں' ان کے لیے یہ صفات لازمی ہیں۔ سخاوت کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ معاف کرنے کا بھی غصے سے بڑا تعلق ہے۔ معاف کرنا بھی سخاوت کی صفت ہے۔ جس کا دل بڑا ہوگا' وہ دل میں بہت کچھ سما سکتا ہے' نفرت پر قابو پائے گا' اور معاف بھی کر دے گا۔ جس کا دل چھوٹا ہوگا' تنگ ہوگا' وہ مال بھی نہیں دے گا' خدمت بھی نہیں کرے گا۔ ذرا سی بات ہو گئی' کسی کے منہ سے کوئی معمولی سی بات نکل گئی' کسی نے کچھ کہہ دیا کہ جس سے عزت و آن پر ذرا حرف آ گیا' وہیں اس کے تنگ دل میں غصے کا طوفان برپا ہو جائے گا۔ وسیع الظرف کے اندر غصے کا طوفان برپا نہیں ہوتا' اس میں سب کچھ سما جاتا ہے۔ تنگ دل میں ذرا سی بات پر غصے کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے' اور وہ معاف نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں معاف کرنے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ط (الشوریٰ ۴۲:۴۰)

''پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کر لے' اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے''۔

بدلہ لینے کی اجازت تو ہے لیکن فرمایا:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا (الانعام ۶:۱۶۰)

''اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا''۔ گویا بدلہ' برائی کے برابر ہونا چاہیے' زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ میرے ملازم کام میں کوتاہی

کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں' میں بھی کبھی کبھار ان کو ڈانٹ لیتا ہوں۔ روز محشر میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قصاص ہوگا۔ تم نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا یا انھوں نے جو کچھ تمھارے ساتھ کیا' برابر ہے تو پھر ٹھیک ہے' دونوں چھوٹ جائیں گے۔ اگر تم نے جو کچھ کیا وہ ان کے کرنے سے زیادہ ہوا تو تم پکڑے جاؤ گے۔ عام طور پر لوگ ملازمین کے ساتھ بری طرح پیش آتے ہیں۔ آدمی کہتا ہے کہ میں جس طرح چاہوں کروں' جس طرح چاہوں ڈانٹ دوں۔ حضور ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر تم نے زیادتی کر دی تو تمھارا مواخذہ ہوگا۔ یہ سن کر وہ صحابی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ایک گوشے میں جا کے بیٹھ گئے کہ میں تو تباہ و برباد ہو گیا' آیا کون دیکھے گا کہ ملازم نے اتنی زیادتی کی' بیوی نے اتنی' اور کیا میں نے اس کے برابر کیا ہے یا کہیں زیادہ تو نہیں کر بیٹھا۔ پھر انھوں نے آ کر ان سب غلاموں کو آزاد کر دیا کہ میں تو ملازمین کے ساتھ اور غلاموں کے ساتھ برابر کا برتاؤ نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آ کر پوچھا کہ میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ انھوں نے پھر پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ۷۰ مرتبہ۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جو لوگ رہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہیں کہا۔ کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی پر جب تہمت لگائی گئی جو نبی ﷺ کی بیوی بھی تھیں' اس میں ایک وہ صاحب بھی شریک ہو گئے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عزیز بھی تھے' اور ان کو وہ کچھ وظیفہ دیا کرتے تھے۔ اس بات کے معلوم ہونے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا وظیفہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم دی اور فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کر دے! لہٰذا جو آدمی صبح سے شام تک سو گناہ کرتا ہے اور ہم بھی کرتے ہیں اور پھر توقع رکھتے ہیں کہ ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا' تو ہمیں بھی دوسروں کو زیادہ سے زیادہ معاف کرنا چاہیے۔ انسانوں کو معاف کرنے میں کنجوسی اور بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اگر آدمی کے اندر عفو و درگزر کی صفت ہو تو بھی غصہ پر قابو پانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

# بدگمانی

بدگمانی سے بھی ہزاروں فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خبردار رہو، ہوشیار رہو، بدگمانی نہ کرو۔ قرآن مجید میں بھی کہا گیا ہے:

اِجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ (الحجرات ۴۹:۱۲)

بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

دراصل بغیر کسی ثبوت کے کسی کے بارے کوئی رائے قائم کرنا ہے، یا جس بات کو ثابت نہ کیا جا سکتا ہو اس کو بیان کرنا، اس کی اجازت نہیں ہے حتی کہ جو چیز ثابت بھی کی جا سکتی ہو، آنکھ سے دیکھی ہو، اس کا ذکر کرنا بھی گناہ ہے۔ اگر کسی نے کسی کو زنا کرتے دیکھا ہے اور وہ تین گواہ نہیں لا سکتا تو وہ اس کو ذکر نہیں کر سکتا۔ اس پر ۸۰ کوڑوں کی حد نافذ ہو سکتی ہے۔ گویا دین کا منشا یہی ہے کہ برائی کی تشہیر نہ کی جائے۔

قرآن کریم میں بدگمانی سے روکا گیا ہے اور حدیث میں بھی اس کی ممانعت ہے کیوں کہ گمان کا سر پاؤں نہیں ہوتا۔ گمان سے بڑی جھوٹی بات اور کیا ہو سکتی ہے، کہ آدمی جانتا ہو کہ اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ سب سے بڑی بدگمانی نیت کے بارے میں ہے۔ اکثر لوگ اس مرض کے اندر مبتلا ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس آدمی کی نیت ہی خراب ہے، اسی لیے میرے ساتھ ایسا کام کر رہا تھا یا کرنا چاہتا تھا۔ یہ بدگمانی ہے۔ بدگمانی بھی بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔

اخلاق حسنہ کے حصول کے ضمن میں آخری بات یہ عرض ہے کہ جو چیز ہمیشہ سامنے رکھنے کی ہے وہ زبان کی حفاظت ہے۔ بہت ساری احادیث میں اس کی تعلیم دی گئی ہے، اس کی ہدایت اور تاکید کی گئی ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز جہنم میں کمر کے بل لوگوں کو گرائے گی، وہ زبان کی کمائی ہے۔ اس میں تمسخر اڑانا، برا بھلا کہنا، تجسس، ٹوہ لگانا، بدگمانی کرنا، حسد، جلن، کڑھن اور غصے کا اظہار اور غیبت وغیرہ شامل ہیں۔

## غیبت

ایک برائی جس کا میں خاص طور پر ذکر کروں گا جو بڑی عام ہے' وہ غیبت ہے۔ غیبت یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی کی برے انداز میں اس کی پیٹھ پیچھے برائی کی جائے۔ اس کو بھی قرآن مجید نے برائیوں میں سے منتخب کر کے ذکر فرمایا ہے:

وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِ هْتُمُوْهُ ط (الحجرات ۴۹:۱۲)

اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔

یہ ایسے ہی ہے جس طرح آدمی مر جائے اور اس کی لاش پڑی ہو' تو کوئی شخص اس مردار کا گوشت کھانا شروع کر دے۔ غیبت اسی کی ہوتی ہے جو موجود نہیں ہوتا' اسی طرح مردار کی روح موجود نہیں ہوتی' اور آدمی نے اس کی برائی شروع کر دی۔

غیبت کی تعریف یہ نہیں فرمائی کہ کوئی شخص برا نہیں ہے یا اس کے اندر کوئی خرابی نہیں پائی جاتی ہے۔ عام طور پر لوگ یہی کہتے ہیں' اس کے اندر یہ برائی موجود ہے' میں تو اس کے منہ پر بھی کہہ سکتا ہوں۔ اگر اس کے اندر برائی موجود بھی ہے اور آپ اس کے منہ پر بھی کہہ سکتے ہیں' تب بھی پیٹھ پیچھے کہنا غیبت ہے۔ صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا' کہ اگر وہ برائی اس کے اندر واقعی موجود ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر برائی اس کے اندر موجود نہیں ہے' تو پھر تم نے اس کے اوپر بہتان اور جھوٹا الزام لگایا' اور اگر برائی موجود ہے جبھی تو غیبت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی کا بھی گوشت حلال نہیں ہے' نہ بھائیوں کا' نہ گھر والوں کا' نہ بیوی بچوں کا۔ لہٰذا کسی کی بھی غیبت نہیں کی جا سکتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ٹرین میں سفر کر کے آتے ہیں اور گھر میں داخل ہوتے ہی کہنے لگتے ہیں کہ میرے ساتھ فلاں مسافر بیٹھا تھا۔ وہ ایسا تھا' اس نے ایسا کیا۔ کیا لوگوں کے پاس بہت نیکیاں جمع ہو گئی ہیں کہ جو سفر میں دو گھنٹے ساتھ رہا' اس کو جانتے بھی نہیں' اور خواہ مخواہ اس کو اپنی نیکیاں منتقل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کو تو اصول بنا لیں

کہ کوئی آدمی خواہ شناسا ہو یا نا آشنا' بھائی ہو یا ماتحت' آقا ہو یا ذمہ دار' امیر ہو یا مامور' کسی کا بھی ذکر پیٹھ پیچھے برائی کے ساتھ نہیں کرنا۔

ایک طویل حدیث ہے جس میں ایک صحابی نے عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے کہا کسی کو برا نہ کہو۔ اور اسی حدیث میں آتا ہے کہ کسی نیکی کو حقیر مت جانو۔ یہاں تک کہ اپنے بھائی سے ہنستے' مسکراتے' خندہ پیشانی سے ملو تو یہ بھی بڑی نیکی ہے۔ یہ حسن اخلاق ہے۔

مختصراً یہ کہ اخلاق کی تعریف مختلف حوالوں سے کی جاسکتی ہے اور اچھے اور برے اخلاق کی ایک طویل فہرست ہے جو بنائی جاسکتی ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مربوط بھی ہیں۔ ایک اچھے اخلاق سے اور بہت سارے اچھے اخلاق کی شاخیں پھوٹتی ہیں' اور کچھ برے اخلاق ایسے ہیں کہ جو جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں' اور ان سے اور بہت سارے برے اخلاق کی جڑیں پھوٹتی ہیں۔ ان سب کا احاطہ کرنا اور ان سب کا بیان کرنا' نہ تو ممکن ہے اور نہ فرض۔ ایک فرد کی تربیت کے لیے صرف یہ ضروری ہوتا ہے کہ صرف چند بنیادی اور کلیدی چیزوں کو منتخب کرلیا جائے اور پھر ان پر پوری توجہ مرکوز ہو۔ تربیت کے لیے علم کی بہت بڑی مقدار کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ انسان سیکھتا جائے' اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ عمل سے ہی تربیت ہوتی ہے نہ کہ محض سن لینے سے۔ وہ چیزیں جو جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں' وہ اگر ہاتھ آجائیں تو ان سے بہت ساری چیزیں ہاتھ آسکتی ہیں۔ لہٰذا جن پانچ چیزوں کا میں نے ذکر کیا ہے' یہ بڑی جامع ہیں۔ ان کا تعلق باطن سے بھی ہے اور ظاہر سے بھی' نیز ان کا تعلق اللہ کے ساتھ بھی ہے اور بندے کے ساتھ بھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں۔ اگر ہمارے اندر جھوٹ پایا جاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو جھوٹ سے پاک کریں۔ اگر دل میں کبر ہے تو اس کو اس سے پاک کریں۔ حسد اور کینہ' غصہ و غضب' بدگمانی و تجسس اور غیبت سے بچیں۔ اپنی زبان کی حفاظت کریں' اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بھلی بات کہیں ورنہ خاموش رہیں۔

اعلیٰ اخلاق کے حصول کے لیے یہ پانچ بنیادی اوصاف ہیں جن کے پانچ اچھے

پہلو اور پانچ برے پہلو ہیں۔ اگر ہم ان پانچ بنیادی اوصاف کو اپنا لیں، مضبوطی سے پکڑ لیں تو اس کے نتیجے میں وہ چیز حاصل ہوگی جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ میزان میں سب سے بھاری ہوگی، یعنی اعلیٰ اخلاق۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ قیامت کے روز جو لوگ حضور ﷺ کے قریب ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔

## باہمی تعلقات: بہتری اور استحکام کے اصول

اب میں ان اخلاقی صفات کو بیان کروں گا جن کا تعلق خالصتاً انسانوں کے باہمی تعلقات سے ہے۔ ان اخلاقی اوصاف کو اپنانے کے نتیجے میں باہمی تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

پابندی عہد، امانت و دیانت، خیانت سے اجتناب، سچ بولنا اور سچائی کی زندگی اختیار کرنا، قول و فعل میں مطابقت پیدا کرنا اور عدل و انصاف، یہ اوصاف انسانوں کے باہمی تعلقات میں جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور دین اور احکام الٰہی کے ضمن میں بھی۔

سچ بولنا یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے اگر کوئی وعدہ کرے یا کوئی بات کہے تو اس کو سچ کر دکھائے، اور اگر بندوں سے کوئی بات کرے تو اس میں بھی اس کو سچا ہونا چاہیے۔ جھوٹ نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ سے نہ بولے بلکہ بندوں سے بھی نہ بولے۔ وہ امانتیں جو اللہ تعالیٰ نے سپرد کی ہیں، ان کو بھی ٹھیک ادا کرنا چاہیے۔ وہ امانتیں جو بندوں کے ساتھ تعلق کی صورت میں اور بندوں کی طرف سے عائد ہوتی ہیں، ان کو بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرنا چاہیے۔ اسی طرح سے اللہ اور بندوں سے عہد کا باندھنا اور اس کو وفا کرنا ہے۔

پورے دین پر عمل میں بھی عدل ضروری ہے، اور باہمی تعلقات میں بھی عدل پر قائم رہنا ضروری ہے۔ یہ بھی دین کے بہت سارے احکامات کا خلاصہ اور بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل ۱۶:۹۰)

’’اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔‘‘ عدل میں دراصل سارے ہی اخلاق‘ فضائل اور اوصاف جمع ہو جاتے ہیں۔

کبر یہ ہے کہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنا یا بڑا سمجھنا۔ یہ اللہ کے مقابلے میں بھی ہو سکتا ہے‘ اور بندوں کے معاملے میں بھی۔ یہ اللہ کی ذات ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ اللہ کی صفات کے معاملے میں بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ میں زیادہ عقل مند ہوں‘ میں بھی بہتر جانتا ہوں۔ باہمی تعلقات کی خرابی کا ایک بڑا سبب کبر ہے۔

ذیل میں باہمی تعلقات کی بہتری اور استحکام کے لیے چند اہم اخلاقی اوصاف کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

## غصے پر قابو پانا

سب سے پہلی چیز اپنے غصے پر قابو پانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غصہ فطری طور پر دیا ہے اور یہ ہمارے لیے ایک لحاظ سے ضروری بھی ہے۔ یہ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اگر غصہ آدمی میں نہ ہو تو پھر وہ اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کا تحفظ بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں جتنے بھی جذبات اور محرکات ودیعت کیے ہیں‘ ان میں سے فی نفسہ کوئی بھی برا نہیں ہے۔ اس بات کو اخلاق اور اپنی تربیت کے ضمن میں بھی بہت اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔ لالچ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اگر آدمی کی طبیعت میں لالچ نہ ہوتی تو وہ اونچے اونچے کام نہیں کر سکتا تھا۔ اگر دنیا کا لالچ ہو‘ تو غلط ہے اور اگر جنت کا ہو تو پھر انسان بڑے بڑے معرکے کر گزرتا ہے۔ جنت کی خاطر‘ اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ اگر آدمی کی طبیعت لالچ ہی سے خالی ہو تو پھر وہ کس کے لیے اسلام کا کام کرے گا۔ اسی طرح اگر غصہ نہ ہو تو پھر آدمی اپنا تحفظ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے عزت کا کوئی سوال پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔

غصہ آنا بالکل فطری امر ہے۔ غصہ آنے پر اللہ کے ہاں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن غصہ نکالنا‘ غصے کے مطابق کوئی عمل کرنا‘ کوئی بات کہنا‘ زبان سے کوئی کلمات نکالنا‘ کوئی برتاؤ کرنا‘

یہ آدمی کے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر غصے میں آدمی بات کرنا شروع کرے' اور وہ کام کرے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے تو یہ غصے کا وہ پہلو ہے جو آدمی کے اختیار میں ہے' اور جس پر وہ قابل مواخذہ ہے۔ غصہ اگرچہ سو خرابیوں کی جڑ ہے لیکن یہ حصول جنت اور بلندی درجات کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں جنت کی طرف دوڑنے کی رغبت دلائی' وہاں غصے کو پی جانا' اہل جنت کے اوصاف میں سے ایک وصف بھی گنوایا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (آل عمران ۳:۱۳۳۔۱۳۴)

دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین و آسمانوں جیسی ہے' اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال۔ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔

گویا اہل جنت وہ ہیں کہ جب انھیں غصہ آئے تو اس پر قابو پا جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کو غصہ آتا ہی نہیں ہے۔ متقی وہ نہیں کہ جس کو غصہ ہی نہ آتا ہو۔ وہ تو دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکے گا۔ اگر حق کو کچلا جا رہا ہو تو آدمی کو غصہ نہ آئے' اللہ کے بندوں میں سے کسی کا حق مارا جا رہا ہو اور اس کو غصہ نہ آئے' تو وہ آدمی دین کے کس کام کا! لہٰذا غصے کو اگر اللہ تعالیٰ نے آدمی کی فطرت میں ودیعت کیا ہے تو یہ اس کے بلندی درجات کے لیے ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ غصہ آئے تو آدمی اس پر قابو پا جائے' اور اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکے۔ اس کی لگام اور باگ غصے کے ہاتھ میں نہ چلی جائے کہ جو منہ میں آئے بکتا چلا جائے' جو روش غصہ سجھائے وہی روش اختیار کرتا چلا جائے' اور وہی کرے جو غصہ سکھائے' بلکہ وہ غصے کو پی جائے۔ اس کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلوان وہ نہیں جو طاقت ور کو گرائے بلکہ وہ ہے کہ جس کے اندر اتنی قوت ہو' کہ جس وقت دل میں غصے کے غبار اٹھیں اور اس کے اثرات دل

ودماغ پر قابو پانا شروع کریں اور آدمی کو ایک آگ سی لگ جائے تو پھر وہ اس کو قابو کر سکے۔

غصہ تو ایک قسم کی آگ ہے۔ جس کو بھی غصہ آتا ہے اس کو اس کا تجربہ ہے' کہ جب غصہ آتا ہے تو آدمی اپنے قابو سے باہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ غصے میں وہ بدگمانی بھی کرتا ہے' دوسروں پر جھوٹے سچے الزامات بھی لگاتا ہے' تلخ کلامی پر بھی اتر آتا ہے' برا بھلا بھی کہتا ہے' عیب بھی تلاش کرتا ہے' عیب چینی بھی کرتا ہے' منہ سے جھاگ بھی نکلنے لگتی ہے اور آواز بھی گدھوں کی طرح اونچی اور کرخت ہو جاتی ہے۔ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ اس کا اثر دماغ پر بھی پڑتا ہے اور زبان پر بھی۔ گویا یہ ایک آگ ہے جو انسان کو اگر اپنی لپیٹ میں لے لے' تو وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے' اور اس کے آگے بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔

## غصے سے بچاؤ کی تدابیر

غصے پر قابو پانا' اچھے اخلاق کے حصول اور برے اخلاق سے بچنے کے لیے' بالکل جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ انھوں نے سوال کیا کہ یہ کیسی بات آپ ﷺ نے کہہ دی' اتنی چھوٹی سی بات۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ جب انہوں نے تیسری دفعہ بھی یہی پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ کوئی بات محبوب نہیں ہے کہ آدمی غصے کے گھونٹ کو پی جائے۔ متقی لوگوں کی پہچان ہے۔

اَلْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ (آل عمران ۳:۱۳۴)

یعنی وہ اپنے غصے کو پی جانے والے لوگ ہوں گے۔ ان سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے' اور ان کے لیے اس کی مغفرت اور اس کی جنت ہے۔

درحقیقت غصے پر قابو پانا اچھے اخلاق کی کنجی ہے۔ یہ برے اخلاق سے بچنے اور باہمی تعلقات میں تلخی سے بچنے کے لیے ناگزیر ہے۔ غصے کی وجہ سے انسان انتقام پر اتر آتا ہے' دوسروں کا حق بھی مارتا ہے اور زبان کے تو بے شمار گناہ ہیں کہ جو انسان سے غصے کی وجہ سے سرزد ہوتے

ہیں۔ان سب سے بچنے کے لیے غصے پر قابو بہت ضروری ہے۔

غصہ چونکہ جسم کے اندر ایک طبعی چیز ہے' لہٰذا اس پر قابو پانے کے لیے بھی چند طبعی تدابیر کی ضرورت ہے۔خود دین نے غصے پر قابو پانے کے لیے نفسیاتی تدابیر اختیار کی ہیں اور ان کی تعلیم نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔غصہ جسم میں آگ کی طرح پورے جوش کے ساتھ اٹھتا ہے۔ اس کا اصل علاج یہ ہے کہ آدمی اس کی طرف سے توجہ ہٹا لے۔اسی لیے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب آدمی کو غصہ آئے تو وہ وضو کر لے۔وضو کے پانی کی ٹھنڈک سے بھی اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گا۔اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ آدمی جس حالت میں ہو اپنی اس حالت کو فوراً بدل دے۔اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔گویا جب بھی اس کو معلوم ہو کہ غصہ مجھ پر قابو پا رہا ہے' تو اپنی اس حالت کو بدل دے۔یہ نہ ہو کہ بیٹھا ہو تو غصے میں ایک دم کھڑا ہو جائے' ہاتھا پائی پر اتر آئے' اور گالیاں بکنی شروع کر دے' بلکہ غصے کی حالت میں کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔بیٹھا ہوا آدمی ہاتھا پائی نہیں کرتا' گالیاں بھی بڑی مشکل سے بکتا ہے۔اسی طرح اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جانے کا حکم ہے۔حدیث میں اس کی تعریف کی گئی ہے' اور اس طریقے سے آدمی اپنے غصہ پر قابو پا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ چند کلمات ہیں اگر آدمی کہہ لے تو غصہ پر قابو پا سکتا ہے' یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. اس کے بعد بھی اگر غصے پر قابو نہ آئے تو اس سے پہلے کہ آدمی غصے کو اتارے اور غصے سے بے قابو ہو کر آپے سے باہر ہو جائے اور انتقام پر اتر آئے فرمایا گیا ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو جاؤ۔وضو اور نماز سے توجہ خود بخود ادھر سے ہٹ جائے گی۔

یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ انسان خدا کے مقابلے میں اپنے آپ کو بالکل حقیر جانے اور یہ سمجھے کہ میں اللہ کی بارگاہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔اللہ کے سامنے بالکل بے سہارا ہوں' اور اگر کوئی سہارا ہے تو صرف اسی کی ذات کا سہارا ہے۔وہ سوچے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں کھڑا ہوں اور وہ بھی مجھ پر اتنا ہی غصہ کرے' جیسا کہ میں دوسروں پر کرتا ہوں تو میرا کیا بنے گا ۔ادھر میرا یہ حال ہے کہ ذرا کسی نے مجھ سے کوئی بات کہہ دی اور میری عزت کو ٹھیس پہنچی' اور میں

نے محسوس کیا کہ اس سے میری توہین ہوگئی' یا کوئی بات میری مرضی کے خلاف ہوگئی' تو میں غصے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہوں۔ بیوی کو دو گالیاں دیتا ہوں' روٹی اٹھا کر پھینک دیتا ہوں' سالن میں ذرا نمک ٹھیک نہ ہو تو پلیٹ الٹ دیتا ہوں' بچوں پر غصہ آتا ہے تو انھیں بری طرح ڈانٹتا ہوں۔ پڑوسیوں' دوستوں' دفتر اور کاروبار کے ساتھیوں کی معمولی معمولی غلطیوں پر آپے سے باہر ہو جاتا ہوں' اور خود اپنے رب کی شان میں نہ معلوم کتنی گستاخیاں اور کتنی ناشکریاں کرتا ہوں۔ بیوی ذرا سی غلطی کرلے تو کتنے طعنے دیتا ہوں کہ میں نے تجھ پر یہ احسانات کیے' وہ احسان کیا اور تو اتنی ناشکری ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو احسان کیے ہیں اس کے مقابلے میں ہمارے احسانات کی حیثیت تو کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی ہماری ناشکری کرے یا گستاخانہ رویہ اپنائے تو پھر اس میں غصے کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی ذرا ذرا سی بات پر اسی طرح غصے میں آجائے تو پھر ہمیں کون اس سے بچانے والا ہوگا۔ لہٰذا ہم اس کے بندوں پر کیوں غصہ کریں۔ اس انداز میں سوچنے سے بھی غصے پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اصل میں غصے پر قابو پانے کے لیے جو سب سے بڑا ہتھیار ہے' وہ یہ ہے کہ غصے کو پی جاؤ' غصہ آئے تو اسے کسی پر نہ نکالا جائے۔

اگر ہم نے غصے پر قابو پانے کی یہ تدابیر اختیار کیں اور غصے پر قابو رکھا تو اس سے حلم اور بردباری پیدا ہوگی۔ یہ اخلاقی صفات بہت سی خرابیوں کا سدباب کرتی ہیں۔ یہ تجربے کی بات ہے کہ اجتماعی زندگی میں' تحریکی زندگی میں' گھریلو زندگی میں' محلوں میں' باہمی تعلقات میں فساد کا ایک بڑا سبب غصہ ہے۔ غصے سے جب آدمی بے قابو ہو جاتا ہے تو دوسروں پر الزامات بھی لگاتا ہے' بکتا بھی رہتا ہے' تہمت بھی لگاتا ہے' غیبت بھی کرتا ہے' تجسس بھی کرتا ہے' دوسروں کی تذلیل اور تحقیر بھی کرتا ہے' اور غصے کی وجہ سے نامعلوم کیا کیا حرکتیں کر گزرتا ہے۔ غصہ بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے' لہٰذا اس پر قابو پانے کی اشد ضرورت ہے۔

## حسد اور بغض

دوسری چیز حسد اور بغض ہے۔ حسد بھی بڑی پرانی بیماری ہے۔ شیطان کو بھی

حضرت آدمؑ کے ساتھ حسد ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ مردود ٹھہرا اور ذلت سے دوچار ہوا۔ جب بھی لوگوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا' اس کی بنیادی وجہ حسد ہی تھی۔ حسد کیا ہے؟ حسد یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت ہو' تو اس نعمت کا ہونا ناگوار ہو' اور محض ناگواری نہ ہو بلکہ یہ بھی خواہش ہو کہ یہ اس سے چھن جائے۔ نعمت کسی قسم کی بھی ہو' مثلاً کوئی طاقت ور ہے' کوئی حسین ہے' کسی کے پاس مال و دولت ہے' یہ سب ناگوار ہو۔ کسی کو جاہ و عزت نصیب ہوتی ہے' لوگ اس کو پسند کرتے ہیں' اس کی تعریف کرتے ہیں...... یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں صرف مال و دولت ہی نعمت نہیں ہے...... کسی دوسرے کے پاس یہ نعمت ہو اور ناگوار گزرے تو یہ حسد ہے۔ فطری طور پر ناگوار ہو جانا' یہ بے اختیار چیز ہے۔ کوئی بھی دین یہ مطالبہ نہیں کرے گا کہ جو چیز تمہارے اختیار میں نہیں ہے' اس کا مواخذہ کیا جائے۔ لیکن ناگوار ہونے کے بعد' اس ناگواری کو دل کے اندر پالنا اور پھر اس جستجو میں لگ جانا کہ جو نعمت کسی دوسرے کو حاصل ہے وہ اس سے چھن جائے۔ اگر لوگ کسی کو چاہتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں تو اس کے لیے فتنے کے بیج ڈال دینا' اگر کسی آدمی کے پاس دولت آ گئی ہے تو وہ چھن جائے' کسی کو کوئی مرتبہ مل گیا ہے تو وہ نہ رہے...... یہ سب حسد کا نتیجہ ہے۔ یہ بہت بڑی اور بنیادی بیماری ہے۔

حسد دنیا کی بھی خرابی ہے اور آخرت کی بھی۔ دنیا کی خرابی تو یہ ہے کہ آدمی خواہ مخواہ ایک نفسیاتی مرض کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے' کڑھتا رہتا ہے' پریشان رہتا ہے' اور اس کا اپنا اطمینان اور سکون رخصت ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ آدمی اگر حسد کے اندر مبتلا ہو جائے' تو اس کو غصہ بھی آتا ہے۔ اس بات پر کہ اس کو کیوں مل گیا؟ مجھے کیوں نہیں ملا؟ بلکہ نہ صرف یہ کہ اسے کیوں مل گیا بلکہ اس سے چھن جانا چاہیے' اس کے پاس نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا غصے کی جڑ بھی حسد ہی ہے۔ یہ دنیا کی خرابیاں ہیں۔

آخرت کی خرابی اس طرح ہے کہ جب آدمی ایک دفعہ حسد کی راہ پر نکل کھڑا ہو' تو پھر وہ بہت سی اخلاقی برائیوں اور گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''حسد تو نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔'' جس طرح ذرا سی

آگ سے سوکھی لکڑیاں جل اٹھتی ہیں اسی طرح تمام نیکیاں جو خود حسد کی وجہ سے تو نہیں ہوتیں' لیکن حسد کی نذر ہو جاتی ہیں۔ پھر آدمی وہ باتیں کرتا ہے کہ جس سے نیکیاں ضائع ہو جائیں۔ اس طرح وہ اپنی آخرت بھی برباد کر لیتا ہے۔ پھر وہ نہ دنیا کا رہتا ہے اور نہ آخرت کا' اور انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا۔

کینہ اور بغض سے دشمنی جنم لیتی ہے اور اگر یہ دشمنی دل کے اندر جڑ پکڑ لے تو یہ بھی بہت سی خرابیوں کی سبب ہے۔ اسی لیے حکم یہی ہے کہ مسلمان کا مسلمان کے بارے میں دل صاف رہنا چاہیے۔ دل میں کسی قسم کا کوئی کینہ یا دشمنی نہیں ہونی چاہیے اور نہ کسی قسم کا کوئی بغض۔ جب ایسا نہ ہو تو پھر آدمی ناراض رہتا ہے' لڑائیاں ہوتی ہیں اور تعلقات خراب ہوتے ہیں' اور آدمی دشمنی نکالنے کے لیے وہ وہ کچھ کرتا ہے جو اس سے بن پڑتا ہے۔ نتیجتاً وہ دوسروں کے بہت سارے حقوق مارتا ہے جس سے اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اگر کسی مسلمان بھائی سے کینہ اور دشمنی ہو تو اس کے ساتھ نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔ چنانچہ بہت ساری احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہفتے میں دو دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال پیش ہوتے ہیں' اور مغفرت کر دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے' کہ جس کے دل میں اپنے کسی بھائی کے لیے کینہ ہے' ناراضی ہے' یا بول چال بند ہے تو اس کا معاملہ مؤخر کر دو جب تک کہ یہ اپنے معاملات کی اصلاح نہیں کرتے۔ اس طرح حسد' کینہ' ناراضی اور دشمنی اعمال کی مغفرت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر اپنے بھائی کی طرف سے دل صاف نہ ہو تو یہ بڑا نقصان ہے۔

احادیث کی کتب میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک صحابی کو دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی نے جنتی کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد صرف اس لیے فرمایا تھا کہ وہ اپنے دل میں کسی مسلمان کے لیے کوئی دشمنی یا کینہ نہ رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ کوئی اتنے بڑے عابد و زاہد بھی نہ تھے۔

حسد کا نہ ہونا' کینے کا نہ ہونا' دشمنی اور کدورت کا نہ ہونا اور دل کا ان سے پاک ہونا'

یہی وہ چیزیں ہیں جن کی قرآن مجید اور احادیث میں بہت شدت کے ساتھ تاکید کی گئی ہے۔
دراصل یہ سب خامیاں حسد کے نتیجے میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔

غصہ، حسد اور بغض کا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اظہار زبان سے ہی ہوتا ہے۔
یہ زبان کے گناہ ہی ہیں جو آدمی کو سب سے بڑھ کر جہنم کی راہ پر لے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر کہا کہ اس کو روکو! اس کو پکڑ کے رکھو۔ پوچھا گیا کہ کیا جو کچھ ہم زبان سے کہتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی پکڑ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کہ زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ بڑی بھاری چیز ہوتی ہے۔ آدمی ایک کلمہ بولتا ہے، اور جنت سے بہت دور چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ٹھہرتا ہے۔ اگر اچھی بات زبان سے نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے اور وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا زبان کے معاملے میں آدمی کو بہت محتاط ہونا چاہیے۔

احادیث میں کئی انداز میں وعید کی گئی ہے، کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ زبان چھوٹا سا گوشت کا لوتھڑا ہے اور اس کو ہلانا بہت آسان کام ہے۔ ہر دوسرے کام کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ آدمی ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے تو کام ہوتے ہیں، لیکن بولنے پر کوئی محنت نہیں آتی۔ کسی کا مذاق اڑا دیا، کسی کی عیب چینی کر دی، کسی کی نقل اتار دی، کسی کے اوپر بدگمانی کر دی، کسی کے اوپر جھوٹا الزام لگا دیا، سب کام بڑی آسانی کے ساتھ ذرا سی زبان ہلا کر کیے جا سکتے ہیں، لیکن ان پر پکڑ بہت سخت ہے۔

## غیبت سے بچنا

ہمارے معاشرے کے اندر غیبت بڑی عام ہے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ اگر ہم دوسرے کا ذکر کر رہے ہیں، تو برے الفاظ میں کر رہے ہیں۔ اسے ہم بہت معمولی بات خیال کرتے ہیں اور لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کون سی برائی کر رہے ہیں، یہ خرابی تو اس کے اندر پائی جاتی ہے، یا یہ کہا جاتا ہے کہ ہم تو اس کے سامنے بھی یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس سے غیبت کا جرم کم نہیں ہوتا۔

غیبت کی تعریف نبی ﷺ نے بڑی جامع اور مختصر یوں کی ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو جو اس کو ناگوار گزرے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اگر وہ خرابی اس کے اندر پائی جاتی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ خرابی اس کے اندر نہ پائی جاتی ہو تو تم نے اس پر ایک جھوٹا الزام لگایا' بہتان لگایا' یہ تو دوہرا گناہ ہو گیا۔ گویا اگر کوئی خرابی پائی جاتی ہو' اور اس کا ذکر ہو تو یہ غیبت ہے' اور اگر وہ بات نہ پائی جاتی ہو' تو پھر یہ دوہرا گناہ ہے' یعنی ایک بہتان لگانا اور دوسرا غیبت کرنا۔

اگر غور کیا جائے تو یہ ایک وسیع دائرہ ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ آدمی ارادہ کرلے کہ کسی آدمی کی برائی اس کی غیر حاضری میں نہیں ہوگی' الا یہ کہ ہمارے علما اور محدثین نے اس کی تصریحات کی ہوں۔ وہ یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو' اور کہیں فریاد کرنے سے ظلم کا مداوا ہو سکتا ہو تو وہ بات کہہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شادی اور کاروبار کے سلسلے میں مشورہ مانگے اور کوئی بات ہو تو وہ بتانی چاہیے' یا کوئی دینی شرعی مصلحت ہو' جس کی خاطر بات کرنا ضروری ہو گیا ہو' ورنہ مشغلے اور مزے لینے کے لیے عیب جوئی کی اجازت نہیں ہے۔ یہ دراصل مردار کا گوشت کھانا ہے۔ کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا۔ قرآن مجید نے تمثیلی انداز میں غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف ٹھہرایا ہے تاکہ لوگ اس سے گھن کھائیں اور اس سے رک جائیں۔ غیبت کے نتیجے میں دل صاف نہیں رہتے بلکہ پھٹ جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ محبت پروان چڑھے نفرت جڑ پکڑ لیتی ہے جو باہمی تعلقات کے لیے زہر قاتل ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے اس کی اتنی سختی سے ممانعت کی ہے۔

## تجسس اور بدگمانی

جب آدمی غیبت کرتا ہے تو تجسس بھی کرتا ہے۔ پھر وہ خرابیوں کی ٹوہ لگا کر ان کو بیان کرتا پھرتا ہے۔ اس سے بھی روکا گیا ہے کہ تجسس نہ کرو' اور خرابیوں کی ٹوہ نہ لگاتے پھرو۔ کسی کے ستر کو کھولنا' جسم کو ننگا کرنا' یہ غلیظ اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔ اسی طرح دوسروں کے سامنے کسی آدمی کی

برائیوں سے پردہ اٹھانے سے بڑی شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ جو مسلمان کسی کی ستر پوشی کرتا ہے' اس کو لباس پہناتا ہے وہ یقیناً نیکی ہے لیکن جو اپنی زبان سے کسی کی ستر پوشی کرتا ہے' اس کے عیوب سے پردہ نہیں اٹھاتا' لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا۔ تجسس اور ٹوہ لگا کر معلوم کرنا منع ہے۔ لیکن دنیا میں اپنے کسی بھائی کی کوئی غلطی علم میں آجائے' اور اس پر پردہ ڈال دیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے' بجائے اس کے کہ اس کو جگہ جگہ بیان کیا جائے۔ اور جو آدمی بیان کرتا پھرتا ہے وہ اسے بغیر تحقیق کے ہی بیان کرتا ہے' اور جب بغیر تحقیق کے بیان کرتا ہے تو وہ خود ایک جھوٹ ہوتا ہے۔ عام طور پر غیبت' بدگمانی پر مبنی ہوتی ہے۔ خود ہی آدمی گمان کر لیتا ہے۔ اسی لیے بدگمانی سے بھی منع کیا گیا ہے۔

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا۔** (الحجرات ۴۹:۱۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔

## تمسخر اڑانا

ہمارے معاشرے کے اندر کسی کا تمسخر اڑانا بھی بہت عام ہے حالانکہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی نبی کریم ﷺ نے روکا ہے۔ آپ ﷺ کی ایک زوجہ محترمہ نے دوسری زوجہ محترمہ کے بارے اتنا ہی کہہ دیا کہ ان کا قد چھوٹا ہے' تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تمھاری اتنی سی بات ہی سمندروں کو تلخ کرنے کے لیے کافی ہے۔

ہمارے ہاں لوگوں کے بارے میں رائے فوراً دے دینا اور تبصرہ کرنا بہت عام ہے۔ مثال کے طور پر ریل سے اتر کے آئے' پاس کوئی مسافر بیٹھا تھا' تو اس کے بارے میں آکر فوراً کہہ دیا کہ وہ تو ایسا تھا ویسا تھا۔ گویا ادھر ہمارے پاس بے چارہ کوئی اجنبی آکر بیٹھ گیا اور ہم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی نیکیاں اس کو منتقل کرنا شروع کر دیں۔ وہ اپنی راہ پر چلا گیا اور ہم نے اپنے

لیے وہ آخرت کمانی شروع کر دی کہ ہماری نیکیاں اس سے ختم ہو جائیں۔ یہ ایک رویہ ہے جو درست نہیں۔ جہاں دو پڑوسنیں بیٹھتی ہیں وہ یہی کام کرتی ہیں۔ اگر محلے میں چوپال جمتی ہے یا بیٹھک میں لوگ بیٹھتے ہیں تو یہی مشغلہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے عیب بیان کیے جائیں اور مزہ لیا جائے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ کسی کے بارے میں کوئی صحیح بات بھی علم میں ہو اور اس کے بیان کرنے سے کسی کا بھلا نہ ہو رہا ہو، کسی کو اس کی برائی سے بچانا مقصود نہ ہو، تو اس کو بھی بیان کرنے سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔

زبان کے حوالے سے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں آدمی کو بڑے فتنوں کے اندر ڈال دیتی ہیں۔ اچھے اخلاق کے لیے ناگزیر ہے کہ آدمی اپنی زبان پر قابو پائے، ہر بات کو بولنے سے پہلے سوچے کہ آخر اس کا کیا فائدہ ہے؟ اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو، یا پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہو، تو بولنا چاہیے، نہیں تو خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ جو بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئے گی اس کے ہاں وزن نہ رکھے گی۔ یہ بات ہمیشہ سامنے رہنی چاہیے۔

## بے لوث محبت

اگر ہم مثبت طور پر چاہیں تو ان سب خامیوں کی اصلاح ممکن ہے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم اپنے بھائیوں سے، اللہ کے بندوں سے، سارے بندوں سے، صرف مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ غیر مسلموں سے بھی محبت کریں۔ سوال یہ ہے کہ کافروں اور ظالموں کے ساتھ کیسے محبت کی جائے؟ ان سے ظاہر ہے کہ ویسی محبت نہیں کی جا سکتی جیسی کہ مسلمانوں سے کی جاتی ہے، البتہ ان کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ (سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کی بنا پر ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ظالم کا ہاتھ ظلم سے روکیں، اس کو کفر سے ہٹا کر ایمان کی راہ پر لائیں۔ اگر کہیں وہ زیادتی کر رہا ہے تو اس کو زیادتی سے روکیں۔ اس کو دین اور ایمان کی دعوت دیں۔ یہی اس کے ساتھ بھلائی ہے۔

مومنین کے معاشرے کی تو صفت ہی یہ ہے کہ وہ سراپا رحمت ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔(الفتح ۴۸: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ خود رحمٰن اور رحیم ہے۔ اس کے رسول رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں۔ ایک مسلمان کو آپس میں بھی رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ہونا چاہیے۔ بیوی محسوس کرے یہ شخص سراپا رحمت ہے اور بچے محسوس کریں کہ ہمارا باپ بہت شفیق اور رحیم ہے۔ دوست بھی یہ محسوس کریں اور ساتھ کام کرنے والے بھی' اور تحریک میں جو لوگ ساتھ کام کر رہے ہوں' ان کا بھی یہی تاثر ہو۔ گویا مسلم اور غیر مسلم' اپنے پرائے' بیوی بچے' بھائی بہن' دوست' احباب' تحریک کے ساتھی' سب کے ساتھ شفقت اور رحمت کا برتاؤ ہو' اور نرم دلی کا مظاہرہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو نرمی پسند ہے نہ کہ سختی۔ اللہ تعالیٰ خود بھی رؤف اور رحیم ہے۔ وہ نرمی کا برتاؤ پسند کرتا ہے' سختی کا نہیں۔ وہ خود بھی سخت نہیں ہے اور نبی ﷺ کی تعریف بھی اس نے یہ کی ہے کہ آپ ﷺ نرم دل ہیں۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ (التوبہ ۹: ۱۲۸)

”اور ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔“

## رحمت و شفقت

نبی کریم ﷺ سب کے لیے سراپا رحمت و شفقت تھے۔ انسانوں کے لیے بھی اور جانوروں کے لیے بھی۔ کوئی جانور بھوکا دکھائی دیتا' کسی کو کسی کے مالک نے مارا ہوتا' اس پر بھی آپ ﷺ ٹوکتے تھے اور نرمی کی ہدایت فرماتے تھے۔ یہاں تک فرمایا کہ جانور کو اگر ذبح کرنا ہو تو چھری تیز رکھو تاکہ ذبح کرتے ہوئے اس کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ایک بشارت دی کہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے ایک پیاسے کتے کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کو بخش دیا۔ اس کے مقابلے میں ایک عورت نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا باندھے رکھا اور وہ اسی حالت میں بھوکی مرگئی تو اللہ نے اس قطع رحمی کی بنا پر اس کو جہنم میں ڈال دیا۔ جس دین میں جانوروں کو

ذبح کرنے کے لیے بھی یہ حکم ہو کہ چھری تیز ہو تا کہ انہیں زیادہ تکلیف نہ ہو' ایسے معاشرے میں انسانوں پر تشدد' اذیت' ٹارچر جو ہمارے معاشرے میں بہت عام ہے' آخر اس کی کیا گنجائش ہے۔ مسلمانوں کے معاشرے تو دوسرے انسانوں کے لیے سراپا شفقت اور رحمت ہونا چاہییں۔

ان اہل ایمان پر خدا کی خصوصی رحمت ہوتی ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ ان پر وہ رحم کرتا ہے کہ جو رحمان ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان پر ہے۔ لَا یَرْحَمُ وَلَا یُرْحَمُ' جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ دل کی نرمی نگاہوں کی نمی' یہ سب بھی رحمت کی نشانیاں ہیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک بچے کو پیار کیا۔ جب ایک عرب نے یہ دیکھا تو اس نے کہا کہ میرے تو اتنے بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دل سے رحمت اور شفقت چھین لی گئی ہے۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے؟

## جو اپنے لیے' وہی دوسرے کے لیے

حسد' غصہ اور زبان کی دست درازیاں' ان سب کا علاج رحماء بینھم' رحمت اور شفقت سے ہو سکتا ہے۔ اسی رحمت اور محبت کا ایک معیار حدیث میں دیا گیا ہے کہ کوئی فرد مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مومن بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اگر اسلام کی مزید کوئی اور تعلیمات نہ ہوتیں اور صرف یہی ایک حدیث ہوتی' اور قرآن میں صرف یہی ایک تعلیم ہوتی' تو بھی ہدایت کے لیے کافی تھی۔

اس سوچ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان سوچے گا کہ جب میں اپنی بے عزتی نہیں چاہتا تو پھر دوسروں کی بے عزتی کیوں کروں؟ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میری غیر حاضری میں میری غیبت کی جائے' تو میں دوسروں کی غیبت کیوں کروں؟ میں نہیں چاہتا کہ میرے عیوب کی پردہ دری ہو' پھر دوسروں کے عیوب کی پردہ دری کیوں کروں؟ میں نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ کوئی سختی سے بولے' گالی دے' لعنت پھٹکار کرے' تو پھر میں دوسروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیسے کروں؟ اگر ہمیں مزید

کچھ علم نہ ہو کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں' کیا اچھا ہے اور کیا برا' اور محض یہ حدیث آنکھوں کے سامنے رہے تو بہت سی اخلاقی برائیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا جو آدمی اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے کے لیے پسند نہ کرے' اور دوسرے کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس کے بغیر کوئی مومن صحیح معنوں میں مومن نہیں ہوسکتا۔ ہمارا رویہ ایسا ہونا چاہیے جیسے کہ ہاتھ میں ترازو ہو۔ ہر بات جو منہ سے نکلے اسے تولا جائے کہ آیا یہ بات مجھے پسند ہے' کیا میں اسے اپنے لیے پسند کرتا ہوں؟ اگر نہیں' تو پھر یہ کسی دوسرے کے لیے کیسے پسندیدہ ہوسکتی ہے! یوں سوچنا چاہیے کہ میرے ساتھ اگر یہ بات ہوتی' کوئی میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا' کوئی میرے ساتھ اس طرح غصہ کرتا' میری برائی کے درپے ہوتا' میرا حق مارتا' کیا میں اسے اپنے لیے پسند کرتا؟ جب یہ بات میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو پھر کسی دوسرے کے لیے کیسے پسند کرسکتا ہوں!

رحمت اور محبت وشفقت دراصل ایک بنیادی صفت ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے دل کے اندر رحیم بھی ہونا چاہیے اور رقیق القلب بھی۔ دل کی سختی' زبان کی سختی' برتاؤ کی سختی' یہ ایمان کے ساتھ نہیں سجتی۔ ایمان کے ساتھ تو نرمی ہی سجتی ہے' وہ نرمی جس کے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مظہر تھے۔

## فیاضی وسخاوت

رحمت اور محبت کا مال سے اظہار ہو تو اس کو ہم سخاوت کہتے ہیں۔ فیاضی ایمان کی صفت ہے۔ مومن کبھی بخیل اور کنجوس نہیں ہوتا۔ وہ چیزوں کو روک روک کر نہیں رکھتا' انہیں گن گن کر اور سینت سینت کر نہیں رکھتا' خواہ مال و دولت ہو یا کوئی بھی شے۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ عام استعمال کی چیزوں کو روک کر رکھا جائے۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (الماعون ۱۰۷:۷)

''اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔''

مکی زندگی کے شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے مومن کے اخلاق کو ایک خاص سانچے میں

ڈھالا۔ اگرچہ تفصیلی ہدایات تو اس وقت نہیں آئی تھیں، لیکن چھوٹے چھوٹے جملوں میں، اللہ تعالیٰ نے وہ پورا سانچا بنا دیا تھا کہ اس کے اندر یہ ساری اخلاقی تعلیمات فٹ ہو گئیں۔ جیسا کہ سورۃ الیل میں فرمایا:

''فَاَمَّامَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی'' (الیل ۹۲:۵)

''وہ جس نے دیا اور پرہیز کیا ہے۔''

کیا دیا، کس کو دیا، کتنا دیا، یہ بیان نہیں ہوا۔ یہاں راہِ خدا میں دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ دراصل اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ انسان راہِ خدا میں بانٹنے والا بن جائے، آخرت کے لیے توشہ جمع کرے۔ وہ بات نہ کرے جو اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو، اور اس سوچ کی نفی ہو کہ یہ مال و دولت صرف میرا ہے، مجھے اس کو سمیٹ کر رکھنا ہے، کسی دوسرے کو نہیں دینا، بس جو کچھ ہو میرے پاس ہی ہو۔ یہ وہ اخلاقی ڈھانچا تھا جس پر مکی دور میں اہلِ ایمان کی شخصیت کی تعمیر کی گئی۔ اگرچہ مختصراً تعلیمات بیان کی گئی تھیں، تفصیلی احکامات مدینہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے موقع پر دیے گئے۔

ایک رویہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے کام آیا جائے، ضرورت پڑنے پر مدد کی جائے، بات کرنا ہو تو سختی کے بجائے نرمی سے کی جائے، کسی کو سواری پر سوار کرانا ہے تو ذرا سا ہاتھ بڑھا کر سہارا دے دیا، کوئی اندھا کھڑا ہے اس کو راستہ بتا دیا، اور راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئی تو اس کو ہٹا دیا...... یہ سب صدقہ ہے۔ صدقے کی بڑی وسیع تعریف ہے۔ صدقہ صرف مال دینا نہیں ہے بلکہ یہ بھی صدقہ ہے کہ آدمی کسی کی مدد کرے، کسی کے ڈول میں پانی ڈال دے، کسی کو راستہ بتا دے، راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دے۔ اگر یہ بھی ناممکن ہو تو بات نرمی سے کرے اور اپنی زبان سے کسی کو تکلیف نہ دے۔ نرمی سے بات کرنے میں نہ کوئی روپیہ لگتا ہے نہ پیسہ، بس ذرا سا اپنے اوپر قابو کی ضرورت ہے۔ اپنے بھائی سے مسکرا کر مل لے، یہ بھی نیکی ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم اپنی ذات سے کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچائے۔

صدقہ وخیرات اور خیر خواہی کے یہ مختلف پہلو احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ احادیث کی کتب میں صدقہ اور خیرات کے موضوع پر باب باندھے گئے ہیں۔ دراصل نبی کریم ﷺ نے تو وہ انسان بنایا تھا جو روکنے، جمع کرنے اور سینت سینت کر رکھنے کے بجائے اپنی دولت، اپنے وسائل، اپنی صلاحیتیں، اپنا وقت، اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں دوسروں پر خرچ کرنے والا ہو۔ اسی کا ایک پہلو سخاوت اور فیاضی ہے، اور دوسرا پہلو دوسروں کے قصور معاف کرنا ہے۔ کوئی معاشرہ جس میں انسان رہتے ہوں، اس بات سے پاک نہیں ہو سکتا کہ وہاں کوئی ایسی بات نہ ہو جو دوسروں کو ناگوار گزرے۔ یہ باتیں بیوی کی طرف سے بھی ہوں گی اور محلے والوں کی طرف سے بھی، تحریک کے ساتھیوں کی طرف سے بھی ہوں گی اور ذمہ داران کی طرف سے بھی، ماتحتوں کی طرف سے بھی ہوں گی اور برابر والوں کی طرف سے بھی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں آزمایش کے لیے پیدا کیا ہے اور ہماری آزمایش ہی نہ ہو۔ اگر یہ باتیں ہی نہ ہوں تو پھر آزمایش کیسے ہوگی؟ ایسی باتیں تو ہوں گی لیکن اگر آدمی اس موقع پر درگزر سے کام لے، معاف کر دے تو یہ اللہ کو بڑا محبوب ہے، بڑا پسندیدہ کام ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ بدلہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ

(الشوریٰ ۴۲: ۴۰)

"برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔" یہاں مثلھا کی قید ایسی ہے کہ اگر آدمی اس پر غور کرے تو وہ بمشکل ہی بدلہ لینے کی نیت کر سکے گا۔ کون یہ طے کر سکتا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو گالی دی، یا کسی نے کوئی نقصان پہنچایا، یا کسی کی بے عزتی کر دی، تو اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے کہ جو برابر کا ہو۔ برابر کا بدلہ تو بڑا مشکل امر ہے، زیادتی کے خدشے کا ہر وقت احتمال رہتا ہے۔

ایک صحابی ﷛ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے خادم ہیں جو میرے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ خیانت بھی کرتے ہیں اور کام چوری بھی۔ میں بھی ان کو مار لیتا ہوں' برا بھلا کہہ لیتا ہوں' اور ڈانٹ ڈپٹ بھی کر لیتا ہوں۔ آخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں کا حساب ہوگا۔ اگر تم نے جو کچھ کیا ہے وہ اس سے زائد ہوا جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے' تو پھر تمہارا مواخذہ ہوگا۔ وہ صحابی ﷛ رونے پیٹنے لگے کہ پھر میں کیسے بچ سکتا ہوں' اور بالآخر انھوں نے سارے غلام آزاد کر دیے۔

## وسعت قلبی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غصے پر قابو پانے والے اور معاف کر دینے والے دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (ال عمران ۳:۱۳۴)

جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال' جو غصے کو پی جاتے ہیں' اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔

غصے پر قابو پانے کے لیے اور معاف کر دینے کے لیے بڑا وسیع دل چاہیے۔ جس کو اس جنت کی طلب ہو جس کی وسعت زمین اور آسمان کے برابر ہو' اس کو یہاں وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ جس کا دل تنگ ہو' کنجوس ہو' خود غرض ہو' وہ ایسی جنت میں کیسے جائے گا' جس کی وسعت زمین اور آسمان کے برابر ہو۔ لہٰذا ایک مسلمان کو یہاں پر اپنے دل کے اندر وسعت اور ظرف میں کشادگی پیدا کرنی چاہیے۔ تنگی ہو یا فراخی' کم ہو یا زیادہ' آدمی کو اللہ کی راہ میں ہر حال میں خرچ کرنے والا' غصے پر قابو پانے والا اور بہت معاف کرنے والا ہونا چاہیے۔ وہ خوشی میں بھی دے اور ناخوشی میں بھی دے' دوست کو بھی دینے والا ہو اور دشمن کو بھی' خوش ہو تو بھی دے اور ناراض ہو تو بھی دے' اور اگر غصہ آئے تو غصے پر قابو پالے اور معاف کر دے۔ یقیناً جو لوگ معاف

کرنے والے ہیں اور اپنی اصلاح کرنے والے ہیں' اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ مجلس میں بیٹھے تھے کہ اچانک آپ ﷺ ہنس پڑے اور اس طرح ہنسے کہ آپ ﷺ کے دانت نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ قہقہہ لگا کر نہیں ہنسا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' آپ ﷺ کو کس چیز نے ہنسا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری امت کے دو آدمی اللہ کے حضور حاضر ہیں' اور زانو سے زانو لگائے بیٹھے ہیں۔ ایک نے یہ کہا کہ اے میرے اللہ! میرے بھائی نے مجھ پر یہ زیادتی کی ہے' آپ اس کی تلافی کرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اس کے پاس تو کوئی نیکی نہیں بچی۔ اب میں تمھیں اس سے کیا دلواؤں؟ اس نے کہا کہ آپ میرے گناہ لے کر اس کے سر ڈال دیں۔

اللہ نے اس سے کہا کہ نگاہ اوپر اٹھا کر دیکھو۔ اس نے جب نگاہ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ سونے اور موتیوں کے بہت شان دار محلات ہیں۔ اس نے ایسی جگہ کبھی نہ دیکھی تھی' بڑا خوب صورت ٹھکانہ تھا۔ اس نے پوچھا کہ یہ کس کے لیے ہیں؟ کیا یہ کسی صدیق کے لیے' کسی نبی کے لیے یا کسی شہید کے لیے ہیں؟ وہ اتنا اچھا مقام تھا کہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ یقیناً کسی صدیق اور شہید کو ہی مل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اس کی قیمت ادا کرے' یہ اس کو مل سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت ادا کرنا کس کے بس میں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو کر سکتا ہے اور یہ تیرے بس میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں کیسے قیمت ادا کر سکتا ہوں؟ اللہ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو معاف کر دے' تو تو جنت میں پہنچ جائے گا۔

غور کیجیے کہ معاف کر دینا کتنا بلند مقام ہے!

ہم ہیں کہ زندگی میں ہزار گناہ کرتے ہیں' اور اللہ کے سامنے استغفار پڑھ کر یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں معاف کر دے گا' تو پھر ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی قصور کو معاف کرنے والے بنیں۔ اسلام کی دعوت سارعو الیٰ مغفرۃ کی دعوت ہے' لہٰذا جو مغفرت کی طرف دوڑ رہا ہو' وہ تو لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرے گا' اور گناہوں کی مغفرت چاہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَاتُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ (النور ۲۴:۲۲)

''کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔''

گویا جب تم سب اللہ کے سامنے سب گناہ کرنے کے بعد ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہو جاتے ہو کہ اللہ ہمیں معاف کردے' تو پھر کیا تمہیں نہیں چاہیے کہ تم بھی بندوں کو معاف کرو۔ لہٰذا اگر انسان غلطی کریں خواہ وہ اپنے بھائی بند' بیوی بچے' رشتہ دار ہوں یا پڑوسی' دوست احباب ہوں یا لین دین کرنیوالے' سب کے ساتھ' معافی کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ اسی حوالے سے اللہ نے عدل اور احسان کا حکم دیا ہے۔ اسی سے تعلقات میں مٹھاس اور چاشنی پیدا ہوتی ہے۔

## انقلاب کی بنیاد

ان گزارشات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کچھ اخلاق ایسے ہیں جو میزان میں بھاری ہوتے ہیں' اور بہت سارے برے اخلاق ایسے ہیں جو نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' سب کو ختم کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں منافق کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ منافق وہ ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے' وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے' امانت دی جائے تو خیانت کرے' اور اس کو زعم ہو کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ اگرچہ وہ نماز پڑھے' روزہ رکھے۔

سچائی اور دیانت داری' عدل وانصاف' تواضع اور انکساری' غصے پر قابو پانا' لوگوں کو معاف کرنا' دل کو کینہ اور بغض سے پاک رکھنا اور زبان کو ایسی بات کہنے سے روکنا جس سے کوئی فائدہ دنیا اور آخرت میں نہ ہو' سخی دل ہونا' فیاض ہونا' مال کے معاملے میں بھی اور وقت کے معاملے میں بھی' اور برتاؤ میں بھی...... ان اوصاف سے وہ حسین وجمیل کردار بنتا ہے' کہ لوگ مسخر ہو کر جمع ہو جاتے ہیں۔

ہم چاہیں کہ ہمارے درس قرآن سے' ہماری تقاریر سے' کتابوں اور نعروں سے' ہمارے جلوسوں سے خلق خدا بہہ کر ہماری طرف آجائے' یہ اس وقت تک نہ ہوگا جب تک وہ

ہمارے کردار میں ان اخلاق کی جھلک نہ دیکھ لیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں وہ مقناطیسیت اور شیرینی ہے کہ لوگ شہد کی مکھیوں کی طرح ہمارے گرد جمع ہو جائیں گے' لوہے کے ذرات کی طرح کھنچے چلے آئیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا یہی وہ اسوہ اور کردار تھا کہ لوگ آ کر دیکھتے تھے' اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم! یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ لوگ آ کر مانگتے تھے اور آپ ﷺ دیتے تھے اور وہ جا کر کہتے تھے کہ ہم نے ایسا فیاض شخص آج تک نہیں دیکھا۔ چلو چل کر اس پر ایمان لے آئیں۔ ملازموں نے آپ ﷺ کے ساتھ کام کیا' ان کا کہنا تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہ کہا' نہ یہ کہا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟ لوگ آتے اور آپ ﷺ کی گردن پر چادر ہوتی تو اس کو کھینچ دیتے تھے' یہاں تک کہ گردن کے اوپر چادر کے حاشیے کا نشان ہو گیا۔ لوگوں کو غصہ آ گیا مگر آپ ﷺ نے ضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ ایک اعرابی آتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد ﷺ ہمیں دو' تو آپ ﷺ مسکرا دیے۔ اس کے گستاخانہ لب ولہجے کے باوجود اس کو جو وہ مانگتا تھا عطا کر دیا۔

اتنا ضبط' اتنا تحمل' اتنا عفو و درگزر' اتنی رحمت اور اتنی شفقت یہ معاملہ صرف انسانوں کے ساتھ ہی نہیں تھا بلکہ چھوٹے' بڑے' پرندوں اور جانور' سب کے ساتھ تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے لوگ دین کے ساتھ چپک کر رہ گئے۔ یہی وہ اخلاق تھا' جس سے لوگ آئے' اور ہمیشہ کے لیے ساتھی بن گئے۔ اگر اسی کو ہم پیدا کرنے کو کوشش کریں' تو ان شاء اللہ آخرت میں بھی کامیاب ٹھہریں گے' اور دنیا میں بھی کامیابی و سربلندی ہمارا مقدر ہو گی۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(کیسٹ سے تدوین: امجد علی عباسی)

---

قیمت : -/6 روپے' کوڈ 00077

منشورات' منصورہ' لاہور۔ 54570 فون: 5356 542-4909 543 فیکس: 2194 543-042